رہتی ہے۔ پھر 13 جولائی کو غواڑی کے محلّہ ژھین کے نالے سے اچانک سیلاب کا ایک ریلا آیا، جس سے ایک بچی کی موت واقع ہوئی۔ بہرحال اہل اسلام پر رب ذوالجلال کی طرف سے آزمائش کی یہ گھڑی نہایت شدید ہے، پھر بھی ہم صرف وہی بات منہ سے نکالیں گے، جس کی شریعت میں اجازت ہے: ﴿لن یصیبنا الا ما کتب اللہ لنا﴾ اس موقع پر سیلاب زدہ لوگوں کی شرعی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے اعمال، نظریات اور اخلاق و کردار پر نظر ثانی کریں اور ہر کمی و کوتاہی کو دور کر کے سچی توبہ اور مسلسل استغفار کے ذریعے اپنے پروردگار کو منوانے کی خوب کوشش کریں۔

علاقے کے تمام باصلاحیت افراد کی ذمہ داری ہے کہ وہ سیلاب زدہ املاک کو بڑھتے ہوئے دریا کے خطرے سے بچانے کے لیے حفاظتی اقدامات میں بھرپور حصہ لیں۔

تمام بنی نوع انسان کی ذمہ داری ہے کہ ان غریب مصیبت زدہ افراد کی دلجوئی اور بحالی کے لیے دامے، درمے، قدمے، سخنے امداد سے دریغ نہ کریں۔

اب تک جن افراد، جماعتوں اور رفاہی تنظیموں نے اس سلسلے میں اپنی انسانی و اخلاقی ذمہ داریوں کو ادا کیا ہے، ہم ان سب کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی مخلصانہ مساعی کو شرف قبولیت سے نوازے اور تمام انسانی برادری کو اپنے سایہ عافیت و رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ اور باقی ماندہ لوگوں کو بھی اس جیسے انسانی مسائل میں دکھ درد بٹانے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

اللہ تعالیٰ کی طرف سے شدید آزمائش کی اس گھڑی میں تمام سیلاب زدگان کو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے جس نے جانی نقصان سے کافی حد تک حفاظت فرمائی ہے۔ اور اپنی اصلاح کے ساتھ ساتھ مایوسی اور ناامیدی کی لعنت سے بچے رہنا چاہیے۔

اس بارے میں حضرت علی ؓ کا یہ فرمان نہایت صبر افزا ہے: "لن یغلب عسر یسرین" یعنی ایک مشکل دو آسانیوں پر غالب نہیں آسکتی۔ یعنی ﴿فان مع العسر یسرا ۞ ان مع العسر یسرا ۞﴾ [الانشراح: ۷، ۸] میں عُسر یعنی تنگی اسم معرفہ واقع ہوا ہے اور یُسر یعنی سہولت و کشادگی کا لفظ نکرہ آیا ہے۔ اس پیرائے میں معرفہ جتنی بار وارد ہو ایک ہی مراد ہوتا ہے، جبکہ نکرہ متعدد مراد ہوتا ہے۔ لہٰذا اللہ پاک اپنے بندوں کو حوصلہ دلا رہا ہے کہ

"بے شک اس ایک مشکل مرحلے کے ساتھ آسانی و فراخی کے مرحلے آئیں گے۔" انہ ولی ذلک والقادر علیہ

۞۞۞۞۞۞

درسِ قرآن

تراث قرآنی اور حیات انسانی

اسماعیل محمد امین

﴿واذ قال ربک للملئکة انی جاعل فی الارض خلیفة قالوا اتجعل فیها من یفسد فیها و یسفک الدمآء ونحن نسبح بحمدک و نقدس لک قال انی اعلم ما لا تعلمون ۝﴾

ترجمہ: اور وہ وقت قابل ذکر ہے جب تیرے رب نے فرشتوں سے فرمایا: میں زمین میں ایک خلیفہ یعنی نائب بنانے والا ہوں۔ توانہوں نے عرض کیا: کیا آپ اس میں ایسا نائب بناتے ہیں جو اس میں فساد پھیلائے گا اور خونریزی کرے گا!؟ اور ہم تو تیری تعریف کے ساتھ تسبیح میں لگے رہتے ہیں اور تیری پاکیزگی کے گن گاتے رہتے ہیں۔ (اللہ نے) فرمایا: ''بیشک جو کچھ میں جانتا ہوں، تم نہیں جانتے۔''

سابقہ آیات سے ربط اور مختصر تفسیر

پچھلی آیات ﴿کیف تکفرون بالله﴾ اور ﴿هو الذی خلق لکم﴾ میں اللہ پاک کی نعمتوں کا ذکر فرما کے انسان کو ناشکری سے بچنے کی ہدایت کی اور زیر تفسیر آیت سے آدم علیہ السلام کا قصہ بھی اسی سلسلہ میں ذکر فرمایا ہے۔ سابقہ آیتوں میں حسی نعمتوں کا ذکر تھا اور اب معنوی نعمتوں کا ذکر ہو رہا ہے جیسے خلیفہ بنانا، دولت علم دینا اور مسجود ملائکہ بنانے کی عزت وغیرہ۔ آدم علیہ السلام کی تخلیق اور اس کی فضیلت کو تمام انسانوں پر احسان قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ ان کو اس کی اولاد ہونے کا فخر حاصل ہے۔ [السعدی، معارف القرآن]

﴿واذ قال ربک......﴾ میں ''واو'' حرف عطف ہے۔ زیر تفسیر آیت اگرچہ ظاہری اسلوب میں سابقہ آیتوں سے مختلف ہے، لیکن تینوں آیتوں میں اللہ کی نعمتوں کا ذکر ہونے کی وجہ سے معنوی طور پر متحد ہیں، اس لیے یہاں عطف جائز ہے۔ [شواھد کے لیے ملاحظہ ہو: تفسیر طبری] (اذ)، (اذا) دونوں ظرف زمان کے حروف میں سے ہیں، لیکن اذ ماضی کے ساتھ آتا ہے، اگر وہ فعل مستقبل کے ساتھ آجائے تب بھی ماضی کا معنی ادا کرتا ہے۔ اور اذا فعل مستقبل کے ساتھ آتا ہے، اگر وہ فعل ماضی کے ساتھ آئے تب بھی وہ مستقبل کا معنی ادا کرتا ہے۔ [الشوکانی، القرطبی]

(واذ) کا متعلق ایک محذوف فعل مانا جائے گا، جس کی تقدیر اذکر یا واقصص علی قومک وغیرہ ہے۔ [ابن کثیر] اور ﴿ربک﴾ میں مخاطب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اس لیے یہاں ربوبیت خاصہ مراد ہے۔ [ابن العثیمین] اور اس اضافت سے نبی

کریم ﷺ کی تکریم اور شرف ومنزلت کا بیان مقصود ہے [ابن عطیہ] ﴿للملائکة﴾ میں لام قول کو مقولے کی طرف متعدی کرنے کے لیے ہے۔ اور ملائکة' مَلَک کی جمع ہے، مَلَک اصل میں مَلْأك اور اس کا اصل مَألَک ہے۔ اور اس کا مأخذ اُلُوکة بمعنی الرسالة ہے۔ کیونکہ فرشتے اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے درمیان واسطے ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کو رُسُلُ اللّٰہ کہا جاتا ہے، اور مَألَک میں لام اور ہمزہ کے درمیان قلبِ مکانی سے مَلأك ہوا، پھر ہمزہ کی حرکت ماقبل کو دینے کے بعد ہمزہ کو تخفیفاً وتسہیلاً حذف کیا گیا تو مَلَک ہوا۔ اور مَلائکة کی تاء تانیث یا مبالغہ کے لیے ہے۔ [البیضاوی، القرطبی، الشوکانی]

﴿انی جاعل فی الارض خلیفة﴾ جاعل میں سلف نے دو معانی ذکر کیے ہیں: (۱) بمعنی فاعل، (۲) بمعنی خالق [الطبری] ﴿فی الارض﴾ سے بعض نے مکہ مکرمہ مراد لیا ہے، جسے ابن کثیر نے مرجوح قرار دیا ہے کیونکہ میں اس میں مرفوع روایت مرسل ہے اور اس میں ادراج کی علت بھی ہے، اس لیے یہاں ساری زمین مراد ہے۔ [ابن کثیر] ﴿خلیفة﴾ فعیلة کے وزن پر مصدر ہے، وہ فاعل اور مفعول دونوں معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ جب ایک کے بعد دوسرا قائم مقام ہو تو عرب کہتے ہیں: خلف فلان فلاناً۔ اسی لیے سلطان اعظم کو خلیفہ کہتے ہیں کیونکہ وہ پچھلے بادشاہ کا جانشین ہوتا ہے اور یہاں خلیفة سے مراد ابن اسحاق کے نزدیک زمین کو آباد کرنے والا ہے۔ [الطبری، ابن کثیر] لیکن اگر خلیفة بمعنی خالفة یعنی فاعل کے وزن پر ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ آدم علیہ السلام اور اس کی اولاد اپنے سے پہلے زمین پہ آباد مخلوق کے جانشین ہوں گے۔ ایک قول کے مطابق پہلے فرشتے آباد تھے اور دوسرے کے مطابق پہلے جن آباد تھے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پہلے زمین میں جنات بستے تھے، جب انہوں نے اس میں فساد کیا اور خون بہایا تو ابلیس کے ساتھ فرشتوں کا ایک لشکر بھیج کر انہیں جزیروں اور پہاڑوں میں بھگا دیا۔ بعض سلف کا بیان ہے کہ آدم علیہ السلام اور اس کی اولاد کو اس لیے خلیفہ کہا گیا کیونکہ ان میں سے بعض، بعض کے جانشین ہوتے ہیں تو خود خالفة اور مخلوفة یعنی فاعل اور مفعول دونوں کے معنی میں ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہاں خلیفة سے مراد آدم علیہ السلام اور اس کے بیٹے ہیں، جو اللہ کی شریعت کو تمام انسانیت تک پہنچائیں گے۔ اور ان کے درمیان فیصلے کریں گے، جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ربانی ہے: ﴿یا داؤد انا جعلناک خلیفة فی الارض فاحکم بین الناس بالحق﴾ [ص: ۲۶] اور یہاں خلیفة بمعنی مخلوفة ہے۔ [الطبری، القرطبی، ابن العثیمین] اس قول کے مطابق معنی یہ ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے حق پہنچانے میں خلیفہ ہے اور یہ کہنا غلط ہے کہ وہ اللہ کا خلیفہ اور نائب ہے۔ اور حافظ ابن کثیر نے خلیفة صرف حضرت آدم علیہ السلام کو قرار دینے کو مرجوح قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام اور اس کے تمام بیٹے مراد ہیں، کیونکہ صرف آدم علیہ السلام مراد ہو تو فرشتوں کا یہ کہنا ﴿اتجعل فیها من یفسد فیها﴾ درست نہیں ہو سکتا۔ [ابن کثیر]

تخلیق آدم علیہ السلام اور اس کو زمین میں جانشین بنانے کے اس فیصلے کو فرشتوں سے بیان کرنے کا مقصد صرف انہیں خبر دینا اور ان سے اس بارے میں سوال کرنا تھا، ان سے مشورہ لینا نہیں تھا۔[ابن کثیر] مشورہ لینے کے فوائد مسلم ہیں، مگر اللہ کو کسی مخلوق کے مشورے کی کوئی حاجت نہیں۔ اور فرشتوں کے جواب میں ﴿ اتجعل فیھا من یفسد فیھا ﴾ میں "من" تجعل کا مفعول اول اور فیھا مفعول ثانی کی جگہ پر ہے۔ ﴿ ویسفک الدماء ﴾ پہلے جملے پر عطف ہے۔ افساد، صلح وصفائی کی ضد ہے۔ سفك کا لفظ "دم" کے ساتھ خاص ہے۔ ﴿الدماء ﴾ دم کی جمع ہے۔ دم اصل میں "دَمَیٌ" تھا، پھر یاء کو حذف کیا گیا۔[القرطبی، الشوکانی] افساد فی الارض سے ہر قسم کی معصیت اور شریعت کی مخالفت مراد ہے، جس میں قتل وغارتگری بھی شامل ہے۔ لیکن اس عموم کے بعد خونریزی کے خصوصی ذکر کا مقصد اس کی انتہائی قباحت بیان کرنا ہے۔[السعدی] ﴿ونحن نسبح بحمدک ﴾ جملہ حالیہ ہے یعنی حامدین لك [الشوکانی] اور ﴿نقدس لک ﴾ سابقہ جملے پر عطف ہے۔ اور تسبیح کا معنی تنزیہ یعنی ہر قسم کے عیوب ونقائص اور مخلوق کی مشابہت سے پاک قرار دینا ہے۔ بحمدك میں باء مصاحبت کے لیے ہے یعنی ہم آپ کی تسبیح کے ساتھ حمد بیان کرتے ہیں۔ اس جملے میں اللہ کو تمام نقائص سے پاک جتلانے کے بعد حمد کے ساتھ صفت کمال کا اثبات ہے۔

﴿نقدس لک ﴾ تقدیس کا معنی تطہیر یعنی بالکل پاک صاف ماننا ہے اور تقدیس تنزیہ سے زائد شے ہے کیونکہ تنزیہ سے مراد جگہ کو خالی کرنا اور تقدیس سے مراد اس کو بالکل پاک وصاف کرنا ہے۔ جیسا کہ مشہور دعائے استفتاح میں تین الفاظ استعمال ہوئے ہیں: "اللھم باعد ...... ، نقنی ...... ، اغسلنی ......"۔ پہلے لفظ کا مطلب گناہ سے دور کرنا، دوسرے کا منشا اسے گناہ سے خالی کرنا اور تیسرے سے مراد اسے دھو کر پاک وصاف کرنا ہے۔ تا کہ گناہ کا اثر بھی نفس سے زائل ہو۔

نقدس لک میں لام کے دو معانی ہیں: (ا) اختصاص اور اخلاص (ب) استحقاق۔ یعنی ہم صرف آپ کی تسبیح اور تقدیس بیان کرتے ہیں جن کا صرف آپ ہی مستحق ہے۔[ابن العثیمین] اور نقدس لک میں ایک اور معنی کا احتمال ہے یعنی نقدس لك انفسنا یعنی اچھے اخلاق واوصاف کے ذریعے ہم آپ کی رضا کے لیے اپنے نفوس کو پاک کرتے ہیں۔[السعدی]

ذریت آدم کی بابت فرشتوں کو کیسے معلوم ہوا کہ وہ فساد برپا کرے گی؟ اس بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں:

(ا) لفظ خلیفة سے فرشتوں کو معلوم ہوا کہ وہ فیصلہ کر کے مظالم کی روک تھام کرنے والا ہے۔ اسی سے استدلال کرتے ہوئے انہوں نے عرض کیا: ﴿اتجعل فیھا من یفسد فیھا﴾ قرطبی نے اسے ترجیح دی ہے۔

(ب) فرشتوں نے اس کا اندازہ انسان سے پہلے کی زمینی مخلوق یعنی جنات سے کر کے کہا۔ اس بارے میں ابن عباس کی تفصیلی روایت گزر چکی ہے۔[القرطبی، البغوی، ابن العثیمین] یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ فرشتوں نے یہ بات کیوں کہی؟ یہ بیان بطور اعتراض یا بنی آدم سے حسد کرتے ہوئے نہیں کہی کیونکہ فرشتے ایسے اوصاف ذمیمہ سے بالکل مبرا ہوتے ہیں۔ اللہ نے خود

فرمایا: ﴿لا یسبقونه بالقول﴾ [الانبیاء: ۲۷] "وہ اللہ سے آگے بڑھ کر کوئی بات نہیں کرتے۔" بلکہ ان کا مقصود صرف اس نئی مخلوق کو خلیفہ قرار دینے کی حکمت دریافت کرنا تھا۔

فرشتوں کی تسبیح کے بارے میں علمائے تفسیر کے مختلف اقوال ہیں: نماز، حمد، شکر، تعظیم، معروف تسبیح، بآواز بلند تسبیح وغیرہ۔ اسی طرح ان کی تقدیس سے بعض نے نماز اور بعض نے تعظیمی کلمات مراد لیے ہیں۔ [الطبری، القرطبی]

فرشتوں کے اس کلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے انتہائی لطیف انداز میں جواب دیتے ہوئے فرمایا: ﴿انی اعلم ما لا تعلمون﴾ یعنی انسان کو زمین کا خلیفہ بنانے کی حکمت اور مصلحت میں جانتا ہوں، تم نہیں جانتے۔ حضرت قتادہ اور مجاہد وغیرہ سے مروی ہے کہ اس وقت جب فرشتوں نے یہ جواب دیا ابلیس بھی فرشتوں کے ساتھ مصروف عبادت تھا۔ اس لیے اللہ پاک نے فرمایا کہ مجھے ابلیس کی معصیت اور کبر و غرور کا علم ہے جو تمہارے ساتھ محو عبادت ہے۔ [التفسیر الصحیح، الطبری] اور بنی آدم میں خیر و صلاح کے وہ جذبات بھی ہیں، جن سے تم لاعلم ہو۔ [البغوی] ﴿انی اعلم ما لا تعلمون﴾ کے اعراب میں دو قول ہیں:

(۱) أعلم فعل مضارع ہے اور ما محلاً منصوب ہے۔

(۲) أعلم اسم تفضیل بمعنی عالم ہے اور ما محلاً مجرور ہے۔ [ابن عطیہ، القرطبی]

آیت مبارکہ سے مستنبط فوائد:

{1} آیت مبارکہ میں اللہ کی صفت کلام کے اثبات کی واضح دلیل ہے۔ کلام حروف سے مرکب ہوتا ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿انی جاعل فی الارض خلیفة﴾ یہ جملہ حروف سے مرکب ہے۔ اور اللہ کا کلام آواز پر بھی مشتمل ہے، کیونکہ جب اللہ عز وجل نے یہ کلام فرمایا تو فرشتوں نے اسے سن لیا۔ [ابن العثیمین] اس مسئلے میں اسلاف کے دلائل اور مخالفین کی مدلل تردید کے لیے رسالة السجزی لأهل زبيد في الرد علی من انکر الحرف والصوت "لائق مطالعہ ہے۔

{2} فرشتوں سے متعلق چند بنیادی معلومات

۱: یہ ایک غیبی عالم اور مستقل جنس کی انتہائی عبادت گزار مخلوق ہے۔

۲: ان میں اللہ پاک کی صفات اور خصوصیات میں سے کچھ بھی نہیں پائی جاتی۔ بلکہ وہ اللہ کی فرمانبردار مخلوق ہے۔

۳: اللہ پاک نے انہیں نور سے پیدا فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "خلقت الملائکة من نور" [مسلم ۲۹۹۶]

۴: فرشتے بہت زیادہ تعداد میں ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے بیت المعمور کے تذکرے میں فرمایا کہ روزانہ 70,000 فرشتے اس میں نماز پڑھتے ہیں، لیکن کسی بھی فرشتے کو دوسری باری نہیں ملتی۔

۵: ایمان بالملائکہ میں چار نکات شامل ہیں: (ا) ان کا وجود ماننا (ب) معین فرشتوں کے لیے ثابت شدہ ناموں پر ایمان

رکھنا جیسے جبریل، میکائیل، اسرافیل اور ملک الموت وغیرہ اور باقی فرشتوں پر اجمالا ایمان رکھنا۔ (ج) ان کی جو مخصوص صفات ثابت ہیں ان پر ایمان لانا مثلاً حضرت جبریل کے 600 پر ہیں۔ اسی طرح فرشتے کبھی اللہ کے حکم سے انسانی شکل میں بھی آتے ہیں۔ (د) فرشتوں کے ثابت شدہ مختلف اعمال پر ایمان لانا۔ مثلاً جبریل وحی لانے پر، میکائیل بارش اور نباتات پر، اسرافیل صور پھونکنے پر، ملک الموت روحوں کو قبض کرنے پر اور منکر ونکیر میت سے سوالات کرنے پر مأمور ہیں۔ اسی طرح ہر انسان کے دائیں بائیں مقرر کراماً کاتبین انسان دائیں بائیں مقرر کراماً کاتبین اس کے اقوال، افعال درج کرتے ہیں۔ کتاب وسنت سے یہ بھی ثابت ہے کہ فرشتہ جسم والا ہوتا ہے۔

ایمان بالملائکہ کے بہت سارے فوائد ہیں:

(۱) فرشتوں کی عظمت سے ان کے خالق کی عظمت اور کبریائی کا بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

(۲) بنی آدم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عنایت اور مہربانی کا بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس ذات اقدس نے ان کی حفاظت اور ان کے اعمال کی نگرانی کے لیے کتنی عظیم مخلوقات کو مقرر کر رکھا ہے، تاکہ بنی آدم اپنا محاسبہ کرتے رہیں اور اللہ کا شکر ادا کریں۔

(۳) فرشتوں کے ہمیشہ اللہ پاک کی عبادت واطاعت میں لگے رہنے کی وجہ سے ان سے محبت ہوتی ہے۔ [شرح ثلاثۃ الاصول لابن العثیمین ص ۸۷۔۸۹] زیر تفسیر آیت میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ فرشتے عقل والے مخلوق ہیں۔ اسی لیے اللہ پاک نے ان سے کلام فرمایا اور انہوں نے اپنی عقل کے مطابق اس کا جواب عرض کیا۔ اس میں بعض بدعتی فرقوں کی تردید ہے جو کہتے ہیں کہ فرشتے صاحب عقل نہیں ہیں۔ [ابن العثیمین]

{3} ﴿انی جاعل فی الارض خلیفة﴾ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور اس کی اولاد کو زمین میں بسانے اور ان سے یہیں اللہ کے احکام کو نافذ کرانے کے لیے پیدا فرمایا تھا۔ لہٰذا ان کا جنت میں بسنا، پھر وہاں سے لغزش کے ارتکاب پر نکالا جانا وغیرہ اللہ کی خاص حکمت اور بنی آدم کے امتحان کی خاطر عمل میں آیا۔ اسی نکتہ کی طرف وہ حدیث بھی اشارہ کرتی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے مابین مباحثہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملامت کے جواب میں آدم علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ بھی اللہ نے اپنا کلیم اور رسول بنایا ہے۔ کیا اس بات پر میری ملامت کرنے لگے ہو جس کو اللہ نے مجھے پیدا کرنے سے 40 سال قبل میرے مقدر میں لکھ رکھا تھا!؟ ہمارے نبی ﷺ نے فرمایا: "فحج آدمُ موسی" یعنی اس بحث میں آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام پر غالب رہے۔ [بخاری کتاب القدر ٦٦١٤] امام خطابی نے یہی نکتہ بیان کیا ہے۔ [فتح الباری ۱۱/٦٢٣]

{4} "خلیفہ" کا ایک معنی یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کے جانشین ہوں گے، اور واقعہ بھی یہی ہے۔ اسی میں اللہ تعالیٰ کی بڑی حکمت ہے اگر ہر پیدا ہونے والا انسان ہمیشہ زندہ رہتا تو زمین اپنے باسیوں پر انتہائی تنگ ہوتی اور اس سے بڑی بڑی خرابیاں پیدا

ہوتیں۔[ابن العثیمین]

{5} مسئلہ خلافت وحکمرانی: امام قرطبی نے زیر تفسیر آیت کے تحت خلافت اور حکمرانی کے بنیادی مسائل ذکر کیے ہیں۔اسی آیت اور سورۃ النور کی آیت ﴿وعد الله الذين امنوا وعملوا الصلحت منكم ليستخلفنهم في الارض .....﴾ وغیرہ سے حاکم اور سربراہ اعلیٰ کا تقرر واجب ہوا۔تاکہ خلیفہ لوگوں کو نظم وضبط کی لڑی میں پرودے،لوگوں کے مابین اختلافات کا فیصلہ کرے،انہیں ظلم وزیادتی اور برائیوں سے روکے اور ان مقاصد کی خاطر اللہ کی شریعت اور حدود کو نافذ کرے۔غرضیکہ خلیفہ ایسے بڑے بڑے امور سرانجام دیتا ہے جو نظام خلافت کے بغیر انجام نہیں پاسکتے۔اگر کسی ہدف کا حصول اور کسی کام کی تکمیل کسی واسطے کے بغیر ممکن نہ ہو تو اس واسطے کا حصول بھی ضروری ہوتا ہے۔چونکہ مذکورہ تمام امور خلیفہ کے بغیر ممکن نہیں اس لیے خلیفہ کا وجود بھی انتہائی ضروری ہے۔تمام علماء کا اسی بات پر اجماع ہے۔امام قرطبی نے کہا:"الا ما روى عن الأصم حيث كان عن الشريعة أصم "یعنی اس مسئلے میں صرف ابوبکر الاصم معتزلی نے وجوب کا انکار کیا ہے،کیونکہ وہ شرعی تقاضوں سے "أصم "یعنی بہرا تھا۔

خلیفہ اور حاکم کے انتخاب کے چار طریقے ہیں:

(۱) کسی کو خلیفہ منتخب کرنے میں شرعی نص یا قرینہ ہو۔جیسے حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کو خود رسول اللہ ﷺ نے مرض الموت میں امامت کا قطعی حکم دیا۔بعض اہل سنت کے نزدیک یہی ان کی خلافت کے لیے نص شرعی ہے،اور بعض نے اسے قرینہ سمجھا ہے۔

[۲] کسی کی خلافت پر اہل حل وعقد کا اتفاق ہو جانا جیسا کہ ایک قول کے مطابق حضرت ابوبکر ﷺ کی خلافت وجود میں آئی۔حضرت علی ﷺ کی خلافت پر بھی اس وقت مدینہ میں موجود اہل حل وعقد کا اتفاق ہوا تھا۔

[۳] کوئی خلیفہ اپنے بعد کسی کو جانشین نامزد کرے،جیسے حضرت ابوبکر صدیق ﷺ نے حضرت عمر فاروق ﷺ کو نامزد کر دیا۔اسی طریقے میں ایک اور شق یہ بھی ہے کہ خلیفہ کمیٹی تشکیل دے کر ان کے ذریعے خلیفہ کا تقرر کروائے،جیسے حضرت عمر ﷺ نے چھ رکنی کمیٹی تشکیل دی،جس کے نتیجے میں حضرت عثمان ﷺ منتخب ہوئے۔

[۴] کوئی شخص بزور وجبر لوگوں پر حکومت حاصل کرے۔امام شافعی کہتے ہیں کہ اس صورت میں بھی لوگوں پر اس کی بیعت اور اطاعت شرعی حدود کے اندر ضروری ہے تاکہ امت اختلاف اور انتشار کی شکار نہ ہو جائے۔اگر اس طرح فاسق وفاجر حکمران بھی مسلط ہو جائے تو اس سے بغاوت کا راستہ اختیار کرنا جائز نہیں،جب تک اس سے واضح کفر کا کام سرزد نہ ہو۔[مسلم: ٤٧٤٨] بعض علماء کہتے ہیں کہ حجاج بن یوسف کے ہاتھوں عبداللہ بن الزبیر ﷺ کی رحلت کے بعد عبدالملک بن مروان کا مکہ مکرمہ کی حکومت سنبھالنا اسی قبیل سے تھا۔احمد الزیات کہتے ہیں کہ امویوں سے عباسیوں کا حکومت چھین لینا بھی اسی قسم میں شامل ہے۔[تاریخ الادب العربی]

اہل حل وعقد کے اختیار سے خلیفہ مقرر کرنے کا زیر موقع ملنے کی صورت میں خلیفہ کے لیے درج ذیل شروط ہیں:

[۱] قریشی ہونا۔ جمہور نے اسے لازمی قرار دیا ہے۔ شیخ شنقیطیؒ کہتے ہیں کہ دیندار اور عادل ہونے کی صورت میں قریشی کو مقدم کرنا ضروری ہے، اور اس کے لیے صحیح دلائل موجود ہیں۔

[۲] مرد ہونا۔ جب نبی کریم ﷺ کو یہ خبر پہنچی کہ فارسیوں نے کسریٰ کی بیٹی کو سربراہ مملکت بنایا ہے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''لن یفلح قوم ولوا امرھم امرأۃ'' [صحیح البخاری ٤٤٢٥] ''جو کوئی قوم کسی عورت کو اپنا حکمران بنائے وہ کبھی کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوسکتی۔''

[۳] آزاد ہونا۔ [۴] بالغ ہونا۔ [۵] عادل یعنی دیندار و پرہیزگار ہونا۔

[۶] عالم ہونا۔ تاکہ اجتہادی امور میں فیصلہ صادر کر سکے۔

[۷] صحیح و سالم اعضاء والا ہونا۔ مثلاً قوت سماعت، بصارت وغیرہ سے محروم نہ ہو۔

[۸] جنگی فنون سے آگاہ اور عالمی حالات سے باخبر ہو۔

[۹] اتنا نرم دل نہیں ہونا چاہیے کہ شرعی حدود قائم کرنے اور قصاص نافذ کرنے سے قاصر رہے۔

ان میں سے بعض شروط نصوص شرعیہ سے ماخوذ اور بعض محل اجماع ہیں۔ خلافت کے بارے میں دیگر مسائل کی تفصیل کے لیے **صحیح مسلم، کتاب الامارۃ مع شرح النووی، تفسیر ابن کثیر، تفسیر القرطبی اور تفسیر اضواء البیان** کا مطالعہ مفید رہے گا۔ خلافت کے بارے میں رافضیوں کے خرافات کسی سے مخفی نہیں۔ ان کے شبہات کی تفصیلی تردید کے لیے امام ابن تیمیہؒ کی مشہور تصنیف **منہاج السنۃ النبویۃ فی نقض کلام الشیعۃ والقدریۃ** بہت مفید ہے۔

تنبیہ آج عالم اسلام جن آزمائشوں سے گزر رہا ہے، اس کا اصل سبب مسلمانوں کی اپنے دین سے دوری ہے۔ بلکہ عالم کفر نے اسلام کی شان و شوکت کو مٹانے کے لیے پہلے ان کو مختلف ممالک میں تقسیم کیا، پھر ہر ملک میں نام نہاد مسلمان حکمرانوں کے ذریعے کافرانہ نظام حکومت رائج کر دیا۔ اس وقت اکثر اسلامی ممالک میں بھی حکومتیں مغربی طریقوں پر محدود مدت کے لیے منتخب ہوتے ہیں، جس میں ہر کس و ناکس کو ووٹ دینے کا مساوی حق حاصل ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ اسلامی ممالک فتنوں کی آماجگاہ اور غیر مسلموں کے ہاتھوں کھلونا بن گئے ہیں۔ اس طرح مسلمان روز بروز کمزور ہوتا جا رہا ہے۔ فنعوذ باللہ من الفتن ما ظھر منھا وما بطن۔

{6} ''خلیفہ'' کا لفظ صرف خلفائے راشدین کے ساتھ مقید نہیں، بلکہ ان کے بعد بھی کوئی عادل سربراہ مملکت آئے تو اس پر بھی لفظ ''خلیفہ'' کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''لا یزال ھذا الدین عزیزا منیعا الی اثنی عشر خلیفۃ کلھم من قریش'' [مسلم ٤٦٨٧] لیکن ''خلفائے راشدین'' کی خلافت ''علیٰ منھاج النبوۃ'' کے شرف

سے ممتاز ہے۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے:''خلافة النبوة ثلاثون سنة ،ثم يؤتى الله ملكه من يشاء''
[صحيح سنن ابى داؤد ٤٥٩٦]

{7} ﴿قالوا اتجعل فيها من يفسد فيها و يسفك الدماء﴾ حضرت قتادہ کہتے ہیں: فرشتوں کو معلوم تھا کہ زمین میں فساد مچانا اور ناحق خون بہانا اللہ کے ہاں سب سے زیادہ ناپسندیدہ فعل ہے۔[الطبری] اور جب جنات نے اس روئے زمین میں فساد پھیلایا تو انہیں نکال دیا گیا۔اس سے معلوم ہوا کہ فساد انگیزی اور خون ریزی جنات اور انسانوں کے بدترین اعمال میں سے ہے۔ اسلام چونکہ امن وسلامتی کا دین ہے اس لیے وہ ہر قسم کے فسادات اور قتل وغارت سے مکمل منع کرتا ہے۔کسی بھی اسلامی ملک میں فساد مچانا اور دہشت گردی کرنا اسلامی شریعت میں ''محاربة'' کہلاتا ہے۔دہشت گرد کے لیے قرآن کریم میں اس کے جرم کی شدت کے مطابق قتل، یا پھانسی یا مخالف سمت سے ہاتھ پاؤں کاٹنے یا جلا وطن کرنے جیسی عبرتناک سزائیں مقرر ہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿انما جزآء الذين يحاربون الله ورسوله و يسعون فى الارض فسادا ان يقتلوا او يصلبوا او تقطع ايديهم و ارجلهم من خلاف او ينفوا من الارض ذلك لهم خزى فى الدنيا ولهم فى الآخرة عذاب عظيم ۞﴾[المائدة/٣٣] اور سورة النساء آیت ٩٣ میں مؤمن کے قاتل کے لیے اللہ کا غضب، اس کی لعنت اور جہنم کی وعید اکٹھے دی ہے۔ بلکہ ایک کافر اگر اسلامی سلطنت میں معاہدہ پر اقامت پذیر ہو، اس کے قتل کو بھی شریعت نے گناہ کبیرہ قرار دیا ہے۔ارشاد نبوی ہے:''من قتل معاهدا لم يرح رائحة الجنة.....''[بخاری: ٣١٦٦]

{7} ﴿و نحن نسبح بحمدك و نقدس لك﴾ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فرشتوں کے نزدیک اللہ پاک کی تسبیح وتقدیس بیان کرنا افضل ترین عمل ہے۔قرآن وحدیث میں تسبیح وتقدیس بہت سے کلمات مختلف مناسبات میں بڑی فضیلت کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔جیسے فرض نمازوں کے بعد اور سوتے وقت تسبیح تحمید اور تکبیر کل 100 بار پڑھنے کی فضیلت[بخاری ٨٤٣، مسلم ٨٦٥٣] اور ارشاد نبوی ہے: سبحان الله والحمد لله کا اتنا ثواب ہے کہ جس سے آسمان وزمین بھر جائیں۔[مسلم ٥٣٣] بخاری کی آخری حدیث میں ہے:''رحمان کے ہاں دو کلمے بہت زیادہ پسندیدہ ہیں، دونوں میزان میں بہت ہی بھاری اور زبان پر بہت ہی آسان ہیں:''سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم''۔جب نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سا کلمہ سب سے افضل ہے؟ تو فرمایا: جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں اور بندوں کے لیے منتخب فرمایا ہے:''سبحان الله و بحمده''[مسلم ٦٨٦٢]

{8} انسان کی تخلیق اور اس کو خلیفہ بنانے کی حکمتیں بیان کرتے ہوئے اللہ پاک نے فرشتوں سے ارشاد فرمایا ﴿انى اعلم ما لا تعلمون ۞﴾ یعنی تمہاری بات ایک اندازے کے مطابق ہے، اور میرا علم ظاہری اور مخفی تمام امور پر محیط ہے، اس لیے اس نئی